بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

پاکستان ابتداء ھی سے اسلامی معاشرت کا علمبردار ھے ۔ اور ایک اسلامی معاشرہ کو امن و سلامتی، خوش حالی اور فارغ البالی کا گہوارہ ھونا چاھئیے ۔ ''لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون،، کا نقشہ ایک اسلامی معاشرہ اس دنیا ھی میں پیش کرتا ھے ۔ لیکن یہ جبھی ھو سکتا ھے کہ یہاں عملاً اسلام پورا کا پورا نافذ ھو۔ معاشرے کا ھر فرد اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلامی احکام کے تابع بنانے کی مخلصانہ کوشش کرے ۔ لیکن بغور دیکھا جائے تو بحیثیت مجموعی معاشرے میں اسلامی احکام سے روگردانی کا رجحان بتدریج بڑھتا رھا ھے ۔ اس کی وجہ شاید یہ ھو کہ معاشرہ میں ایسے اداروں کا فقدان ھے جو نگرانی، احتساب اور روک تھام کے ذریعے معاشرہ کو اسلامی احکام کا پابند رکھنے کے لئے وقف ھوں اور انہیں اس سلسلے میں موثر کارروائی کرنے کے اختیارات حاصل ھوں ۔ جہاں تک پند و نصیحت کا تعلق ھے کرنے والے یہ کام پہلے بھی کرتے تھے اور اب بھی کر رھے ھیں ۔ اور اس کے نتائج بھی کچھ نہ کچھ برآمد ھوتے ھیں ۔ مگر یہ معاملے کا محض ایک پہلو ھے جو مفید ھونے کے باوجود مطلوبہ نتائج کے حصول کے لئے کافی نہیں ۔

اسلام جو معاشرتی ذمہ داریاں اسلامی معاشرے کے ھر فرد پر عائد کرتا ھے ان میں ایک نمایاں اور اھم ذمہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ھے ۔ معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا، نفی و اثبات کے اس دو طرفہ عمل سے ھی مطلوبہ نتائج کے حصول میں مدد مل سکتی ھے ۔ صدر اول میں اسلام کی علمبردار جماعت کو ''خیر امت،، اسی لئے کہا گیا کہ وہ اقوام

عالم میں امتیازی خصائص کی حامل تھی۔ اور ان امتیازی خصائص میں یہ خصوصیت سب سے نمایاں ہے کہ اس کے افراد لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنہون عن المنکر۔ غور کرنے کی بات ہے کہ دنیا میں ایک قوم اگر اپنا یہ وظیفہ حیات قرار دے لےکہ اس کے افراد نہ صرف خود معروف کو اپنائیں گے اور منکر سے بچیں گے بلکہ اپنے گرد و پیش کی سوسائٹی کو بھی معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے تو وہ قوم دنیا کو جنت نشان بنانے میں کیونکر کامیاب نہ ہوگی۔ آج اگر ہم اسلامی احکام، اسلامی اقدار اور اسلامی تعلیمات کو سامنے رکھ کر اپنی سوسائٹی کا جائزہ لیں تو نظر آئے گا کہ ہم نے سب سے زیادہ جس فرض کو نظر انداز کر رکھا ہے وہ یہی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بجائے ہم موجود حالات اور ماحول سے سازگاری پیدا کر لینے میں ہی عافیت خیال کرتے ہیں۔ جب کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تقاضے اس سے بالکل مختلف ہیں۔

ایک اسلامی معاشرے کی جس خصوصیت کا ذکر ہم نے کیا، جیسا کہ قرآن مجید کی محولہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے، اس کے دو پہلو ہیں، ایک ایجابی اور دوسرا سلبی۔ ان میں سے ہر پہلو بجائے خود اہم بھی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم بھی۔ اس کے باوجود، جیسا کہ اسلام کی تعلیمات سے مترشح ہوتا ہے ''امر'' کے مقابلے میں ''نہی'' کو نسبۃً اس لئے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے کہ انسانیت کے حق میں اس کے فائدے زیادہ ہیں۔ نیکی کرنا اتنا مشکل نہیں برائی سے بچنا جتنا دشوار ہوتا ہے۔

برائی سے روکنے کے ضمن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک

٥

حدیث مدعا کی وضاحت کے لئے شاید مفید ہو۔ مشہور حدیث ہے : من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ و ان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ و ذالك اضعف الایمان۔ (ترجمہ) تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اور اگر یہ نہ کر سکتا ہو تو اپنی زبان سے۔ اور یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اپنے دل سے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

خطاب امت مسلمہ کے ہر فرد سے ہے اس کا درجہ، مرتبہ سوسائٹی میں خواہ کچھ بھی ہو۔ ذمہ داری اختیار و اقتدار کے ساتھ مربوط ہے۔ پھر عملی زندگی میں ذرائع کی نسبت سے اس کے تین درجے ہیں۔ اور تیسرا درجہ سب سے ادنیٰ ہے۔ یہ ایمان کی آخری سرحد ہے۔ اگر منکر کو دیکھ کر کسی شخص کے دل میں خلش بھی نہیں پیدا ہوتی تو سمجھنا چاہئے کہ اس کے دل میں ایمان کی رمق بھی باقی نہیں ہے۔ ظاہراً مسلم سوسائٹی کا فرد ہوتے ہوئے اور دعوائے مسلمانی کے باوجود ایسے شخص کو اپنے ایمان اور اسلام کے بارے میں سوچنا چاہئے۔؟